© rasailojaraid.com

بنانے نہیں دیا ہے؟! کیا ہماری حکومتوں نے ڈرون حملوں کے عوض پانچ ارب ڈالر وصول نہیں کیے؟! اسی کے نتیجے میں دہشت گردی نے ترقی پا کر اربوں ڈالر اور ہزاروں قیمتی جانوں کا نقصان نہیں کیا؟!

اگر ہم باعزت جینے کے عزم سے عیاشیوں اور کرپشن کو ترک کرتے۔ حکم نبوی کے مطابق ''برلب دریا بھی وضو میں پانی کا اسراف نہ کرتے۔'' تو ہر بیرونی امداد کو (خواہ سودی قرضے ہوں، یا بلا سود امداد) شانِ استغناء کے ساتھ مسترد کرنے کا شرف حاصل ہوتا۔ ہم بالکل ''خودمختار'' ہوتے۔ کوئی بیرونی ہاتھ ہمارے داخلی وخارجی معاملات میں حکم نہ چلاسکتا۔ نہ کوئی ''دوست'' ہمارے سرحدی حدود پامال کرسکتا!!

جب ہم اپنے ظالمانہ نظام حکومت کے پھندے سے باہر نکل نہ سکے اور ''اسلامی نظام'' ہمارے قائدین کو راس نہ آیا، تو کرپشن اور اخراجات کے لیے قرضوں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ حکومت کو طوعاً وکرہاً سودخور قرض خواہوں کے ایجنڈوں کی تکمیل کرنی پڑتی ہے۔ قوم ساہوکاروں کے اسلام دشمن اور امن دشمن ایجنڈوں پر ''لبیک'' کہتے ہوئے کس قدر نقصانات اٹھا چکی ہے۔ اور آئندہ بھی ''آ بیل مجھے مار'' کہنے پر تلی ہوئی ہے۔ ﴿وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ﴾ [الأعراف ١٦٩]

آج ہمارے چند مادہ پرست لیڈر اور صحافی سعودی عرب کی پچھلی تمام پرخلوص امداد اور حمایتیں بھول چکے ہیں۔ بنیا ان کا یار ہے، انہیں صرف بنیوں کی ''امداد'' یاد ہے۔ انہیں تجربہ ہے کہ جب بنیا کسی بھی نام سے قرضہ دیتا ہے، تو اپنے مفادات کے تحت ٹھوس شرائط کی فہرست ضرور ساتھ دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ وَالْخَمِيصَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ'' [صحيح البخاري كتاب الجهاد ح: ٢٧٣٠] ''ناکام ونامراد ہو دینار، درہم، جھوردار اور سادہ چادر کا بندہ! اگر اسے یہ چیز دی جائے تو خوش ہوتا ہے، اگر یہی نہ ملے تو ناراض۔'' کیا ان مادہ پرست لیڈروں کی سوچ نبی کریم ﷺ کی بددعا سے سطحیت کی آخری حد میں نہیں؟!

اگر سعودی عرب گرانقدر امداد دے کر حکومت پاکستان سے اپنے کسی نیک مقصد میں تعاون کا امیدوار ہے، تو کیا حرج ہے! یقیناً سعودی عرب کا کوئی بھی مفاد ہمارے قومی مفادات سے متصادم نہیں؛ کیونکہ یہ ملک تمام بین الاقوامی معاملات میں پاکستان کا حامی ہے، اور تمام قومی معاملات میں مخلص دوست۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درسِ قرآن

تراشِ رحمانی در فوائدِ قرآنی

دکتور/ اسماعیل محمد امین

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝﴾ [البقرة:٥٨-٥٩]

دونوں آیتوں سے استنباط کردہ فوائد:

فائدہ نمبر ۱: ﴿قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ﴾ سے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام ثابت ہوتی ہے۔ اور اللہ کا کلام حقیقی صفت ہے۔ یعنی آواز اور حروف سے مرکب ہے۔ اور اللہ کے کلام کو دوسری صفات الٰہیہ کی طرح بغیر تشبیہ اور تاویل کے تسلیم کرنا اہل سنت والجماعۃ کا مذہب ہے۔ [ابن العثیمین]

فائدہ نمبر ۲: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں آسانی کے ساتھ داخل کرنے کا وعدہ فرمایا۔ (وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ) یعنی ہم نے تمہارے لیے راہ ہموار کردیا، اب تم داخل ہوجاؤ۔ (فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا) میں بنی اسرائیل کو مفتوحہ بستی (بیت المقدس) میں داخل ہوکر وہاں کا رزق خوب کھانے کی اجازت دے دی...... [ابن العثیمین]

فائدہ نمبر ۳: جب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مدد فرما کر دشمنوں پر غلبہ عطا فرمائیں، تو انہیں چاہیے کہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے انتہائی عاجزانہ انداز میں مفتوحہ بستی میں داخل ہوں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾ [النصر ١-٣]
مذکورہ حکم الٰہی پر عمل پیرا ہونے میں نبی علیہ الصلاۃ و السلام کا اسوہ حسنہ انتہائی واضح ہے۔ جب آپ علیہ الصلاۃ و السلام فتح مکہ کے تاریخ ساز موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو انتہائی عاجزانہ انداز میں سر جھکا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہورہے تھے۔ پھر اس موقع پر آپ علیہ الصلاۃ و السلام نے تمام دشمنوں کو عام معافی دی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ و السلام اپنی اونٹنی پر دراز آواز کے ساتھ اور ٹھہر ٹھہر کر سورۃ الفتح کی تلاوت کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔ [البخاری ح: ٤٢٨١] اور مکہ مکرمہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوکر پہلے غسل کیا، پھر آٹھ رکعات ہلکی نفل ادا کیں۔ [البخاری ح: ٤٢٩٢]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض علماء فرماتے ہیں کہ آپ علیہ الصلاۃ و السلام نے چاشت کی نماز ادا کی تھی۔ اور بعض کا خیال ہے کہ فتح کے شکرانہ میں پڑھی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ امیر اور حاکم کے لیے کسی شہر اور علاقہ کی فتح پر آٹھ رکعات نماز پڑھنا مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ نے ایوان کسریٰ میں فاتحانہ داخل ہونے کے بعد آٹھ رکعات پڑھی تھی۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلاۃ و السلام اور صحابہ فتح کے موقع پر اللہ کے شکرانہ میں نمازیں ادا کرتے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کے ساتھ جھکتے تھے۔ جبکہ بنی اسرائیل کا رویہ اور روش اس سے بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے زیر تفسیر آیت مبارکہ ان کی سرزنش اور ملامت کے لیے آئی ہے۔ [ابن کثیر ، ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۴: (فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلاً غَيْرَ الَّذِى قِيلَ لَهُمْ) جب بنی اسرائیل سے (حِطَّةٌ) کے ذریعے توبہ کرنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے اسے بدل کر (حنطة) یا (حبة في شعرة) کہنا شروع کیا۔ اس کی وجہ سے ان پر آسمانی عذاب نازل ہوا۔ یہ لفظی تبدیلی ایسی تھی جس میں معنی بالکل غلط ہو گیا۔ (حطة) توبہ کا کلمہ تھا؛ جبکہ (حنطة) کے معنی گندم کے ہیں؛ جس کا حکم کردہ لفظ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ روایت بالمعنی کی قبیل سے ہرگز نہیں؛ بلکہ الفاظ کی ایسی تبدیلی تحریف، ترمیم اور مخالفت ہے۔ پھر امر الٰہی اور حدیث نبوی میں ایسی تبدیلی اللہ پر بلا علم بات کرنے کی قسم سے ہونے کی وجہ سے نہایت سنگین، بلا شبہ اور بالاتفاق حرام ہے۔ کیونکہ یہ شدید قسم کی استہزا یا تحریف ہے۔ اور اسی جرأت رندانہ پر عذاب نازل ہوا۔

باقی رہا "روایت بالمعنیٰ" کا مسئلہ تو حافظ امام قرطبی نے زیر تفسیر آیت مبارکہ کے تحت اس مسئلے کے اُوپر سیر حاصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے: پہلے یہ بات ذہن نشین ہونا چاہیے کہ قرآن مجید کے معانی کے ساتھ الفاظ بھی اللہ پاک کی طرف سے نازل شدہ ہے اور تلاوت میں الفاظ بھی مقصود ہیں۔ اس لیے اس میں بالمعنی روایت کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

احادیث رسول اللہ علیہ الصلاۃ و السلام میں "روایت بالمعنیٰ" کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں؛ لیکن جمہور علماء کے نزدیک روایت بالمعنی چند شروط کے ساتھ جائز ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ بعض کلمات اور اقوال میں معنی کی طرح الفاظ بھی مقصود اور ادائے عبادت کے لیے ضروری ہوتے ہیں؛ جیسے اذان کے الفاظ، نماز کی دعائیں اور اذکار ماثورہ وغیرہ۔ الفاظ ماثورہ کو مترادف الفاظ سے بدلنا اور بالمعنی ادا کرنا جائز نہیں۔

نبی علیہ الصلاۃ و السلام نے حضرت البراء بن عازب ؓ کو سوتے وقت پڑھنے کی دعا کی تعلیم فرمائی۔ اس میں یہ جملہ تھا "آمنتُ بكتابكَ الذي أنزلتَ ونبيِّكَ الذي أرسلتَ" انہوں نے دہراتے ہوئے (نبیک) کی جگہ (رَسُولِکَ) پڑھ لیا تو آپ علیہ الصلاۃ و السلام نے تنبیہ کرکے یہی ہدایت فرمائی کہ "(نبیک) ہی پڑھ!" اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ دعاؤں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الفاظِ ماثورہ میں جامعیت کے ساتھ اپنی خاصیت اور آثار ہوتے ہیں، جو اس کے متبادل الفاظ میں نہیں پائے جاتے۔

مذکورہ آیت میں بنی اسرائیل کو حکم کردہ کلمہ (حِطَّةٌ) دعائیہ کلمہ تھا، اسی لفظ کو پڑھنے کا حکم ہوا تھا، جسے بالمعنی بھی ادا کرنا درست نہیں تھا۔ لیکن ان بدبختوں نے ایسے لفظ سے بدل ڈالا، جس سے اس کا معنی بھی بالکل مختلف اور غلط ہوگیا۔

۲۔ روایت بالمعنی کرنے والا عربی زبان کا ماہر اور مواقع خطاب اور حدیث کے سیاق وسباق سے پوری طرح واقف ہو، تاکہ اس کی غلطی سے معنی میں فرق نہ آئے۔☆

بعض محدثین حضرات روایت بالمعنی کے قائل نہیں۔ وہ اپنی اس رائے کی تائید کے لیے نبی علیہ الصلاۃ و السلام کی مشہور حدیث "نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فبلّغها کما سمعها" سے استدلال کرتے ہیں۔ اولیٰ اور افضل تو یہی ہے کہ حدیث کی روایت میں ٹھیک وہی الفاظ نقل کرے جو سنے ہیں، اور اپنے قصد سے ان میں کوئی تبدیلی نہ کرے۔ لیکن اگر وہ الفاظ پوری طرح یاد نہ رہیں، تو جمہور محدثین اور فقہاء کے نزدیک ان الفاظ کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کرنا جائز ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ حدیث (بلّغها کما سمعَها) کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو مضمون سنا ہو، وہی بعینہٖ نقل کردے، اس کے مفہوم میں کوئی فرق نہ آئے۔ الفاظ کی تبدیلی اس کے منافی نہیں۔ امام قرطبی نے اس کی تائید میں فرمایا کہ خود یہی حدیث اس کی دلیل ہے کہ الفاظ کی تبدیلی بوقت ضرورت جائز ہے۔ کیونکہ اسی حدیث کی روایت ہی ہم تک مختلف الفاظ سے پہنچی ہے۔ اور صحابہ کرامؓ کثرت کے ساتھ روایت بالمعنی کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: روایت بالمعنی کے جواز کی قوی ترین دلیل عجمی زبان میں احکام شریعت کی تشریح کے جواز پر علماء کا اجماع واقع ہونا ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے جب شریعت کی شرح عربی زبان کے علاوہ دوسری لغات میں جائز ہے، تو عربی زبان میں ہی کسی لفظ سے بدلنے کا جواز اولیٰ ہونا چاہیے۔ [نزهة النظر شرح نخبة الفكر ص ٨٤، فتح الباری ٨/٣٨٧، تفسیر ابن کثیر، تفسیر القرطبی، معارف القرآن]

☆ روایت بالمعنی کے جواز کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ راوی "ہیچو من ڈنگرے نیست" کا مصداق نہ ہو۔ یعنی اس کا قلب و ذہن اس "خباثت" سے پاک ہو کہ رسول اکرم ﷺ سے ثابت شدہ مبارک الفاظ اس راوی کے نہاں خانہ دل میں موجود عقیدت یا عقیدے کے مطابق نہیں، یا اس کے اظہار میں صریح نہیں۔ اس "نقص" کے "ازالے" کی خاطر وہ روایت بالمعنی کی آڑ لے کر "ترمیم واضافہ" کی جرأتِ رندانہ کرتا ہے۔ آج بہت سے بدعت پرست فرقوں کے کلمے، اذان وغیرہ میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ (م ت)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فائدہ نمبر۵: (فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا......) آیت مبارکہ میں نصوص شرعیہ کی تحریف کے حرام ہونے میں صریح دلیل موجود ہے، خواہ وہ تحریف لفظی ہو یا معنوی، اور اسے ظلم قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی تحریف اور تبدیلی کی وجہ سے ان کے اُوپر عذاب نازل ہونے کا بھی تذکرہ ہے۔[تفسیر ابن العثیمین]

اسی آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن القیمؒ نے یہود کی مذکورہ تحریف اور امت محمدیہ میں اسماء وصفات کی تاویل اور تحریف کرنے والوں کے درمیان ایک واضح مشابہت ذکر کی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تشابهت قلوبهم﴾ ''ان سب کے دل مشابہ ہیں۔'' اور یہاں سے نبی علیہ الصلاۃ و السلام کی پیشین گوئی بھی ظاہر ہوتی ہے: ''لتتبعنَّ سننَ مَنْ قبلَكم ...... '''' تم پہلی امتوں کی ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ میں تقلید کرو گے، یہاں تک کہ وہ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوئے ہوں تو تم بھی اس میں ان کی اتباع کرو گے۔'' ہم (صحابہ ﷺ) نے پوچھا اے اللہ کے رسول ! کیا یہود ونصاری مراد ہیں؟ فرمایا ''اور کون ہو سکتے ہیں؟'' [البخاری ح: ۷۳۲۰]

جب یہود سے کہا گیا (حطة) کہو، تو انہوں نے اس میں تحریف کیا اور (حنطة) کہا۔ اسی طرح اس امت کے بدعتی فرقے والے جو اللہ کے اسماء وصفات میں تحریف اور تاویل کرتے ہیں۔ جب اللہ نے صاف الفاظ میں اپنے استواء علی العرش کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا ﴿الرحمٰن على العرش استوىٰ﴾ تو انہوں نے استوی میں تحریف کرتے ہوئے ایک (لام) کا اضافہ کیا اور کہا (استویٰ) بمعنی (استولیٰ) ہے، جس سے استواء کا معنی مکمل متغیر ہوا۔ استویٰ کا معنی تشریف رکھنا ہے؛ جبکہ (استولیٰ) کسی پر ''غالب آنے'' کو کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: یہود نے (حطة) میں نون کا اضافہ کیا اور (حنطة) کہا اور فرق ضالہ نے (استویٰ) میں لام کا اضافہ کیا اور (استولیٰ) کہا۔ پس نونِ یہود اور لام جہمی میں کتنی مشابہت ہے! دونوں اللہ کے کلام میں اضافہ وتحریف ہے! [الأسماء والصفات نقلاً وعقلاً للشیخ الشنقیطی ص ٤١، القول المفید شرح کتاب التوحید لابن العثیمین ١/ ٤٨٠]

اللہ تعالیٰ کی صفت استواء کے بارے میں امام مالکؒ کا قول بہت مشہور ہے؛ بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اسماء وصفات میں ایک قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرمایا'' الاستواء معلوم'' یعنی اللہ کا عرش پر مستوی ہونے کا معنی عربی زبان میں معلوم اور واضح ہے۔ ''والكيف مجهول'' لیکن کس طرح مستوی ہے؟ اس کی کیفیت مجہول ہے، یعنی اس کا علم نہیں۔ کیونکہ کتاب وسنت میں اس کی تصریح نہیں۔ '' والإيمانُ به واجبٌ'' یعنی اللہ کا مستوی علی العرش بغیر تشبیہ اور تکییف کے ماننا ضروری ہے۔'' والسؤالُ عنه بدعة'' لیکن کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(استویٰ) کا معنی (استولیٰ) کہنا جہاں تحریف ہے، وہاں معنوی طور پر فاسد اور باطل بھی ہے۔ کیونکہ استولیٰ سے یہ لازم آتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ پاک اور عرش کے درمیان پہلے کشمکش تھا؛ جبھی تو اللہ غالب آیا۔ یہ معنی انتہائی فاسد اور باطل اور یہودیوں کی تحریف سے بھی بڑھ کر اللہ کے حق میں توہین ہے۔ اور یہ مشہور مقولہ کا مصداق ہے "فرَّ من المطر ووقع تحتَ الميزابِ" یعنی "آسمان سے گرا، کھجور میں اٹکا"

فائدہ نمبر۶: عاجزی اور انکساری کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ اور توبہ واستغفار نہ صرف گناہوں کے بخشنے کا سبب ہے۔ جیسا کہ ﴿وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ﴾ بلکہ اللہ کے مزید فضل وکرم کا سبب بھی ہے۔ ﴿سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

فائدہ نمبر۷: اللہ کی عبادت میں "احسان" اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی طرف "احسان کرنا" اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات اور فضل وکرم کے حصول کا سبب ہے۔ ﴿وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور اس کے ساتھ اللہ کی مدد شامل حال رہے گی۔ "واللهُ في عونِ العبدِ ما كان العبدُ في عونِ أخيه" [البخاری ح: ۲۴۴۲]

فائدہ نمبر۸: ﴿فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ یہاں سے معلوم ہوا کہ ان کے اُوپر عذاب نازل ہونے کا سبب صرف ان کا فسق وفجور ہے۔ اور "فسق" کی دو قسمیں ہیں:

(۱) فسق اکبر: جو انسان کو دین سے خارج کرتا ہے، اس کا متضاد ایمان ہے؛ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَأْوٰهُمُ النَّارُ﴾ [السجدة ۲۰]

(۲) فسق اصغر: اس سے انسان دین سے خارج نہیں ہوتا۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا﴾ [الحجرات ٦] ان کا فسق عذاب کے نازل ہونے کا سبب بننا اس بات کی دلیل ہے کہ اسباب اپنے مسببات میں تاثیر رکھتے ہیں۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کے کمال عدل کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا؛ بلکہ انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فسق کو ان لوگوں کو طرف نسبت کرنے میں فرقہ جبریہ پر بھی رد ہے، جو کہتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے۔ اگر وہ مجبور ہوتے تو ان کے اُوپر عذاب کیسے نازل ہوتا؟! اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے ﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ [ابن العثيمين]

فائدہ نمبر۹: (فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ) یہ (رجز) ایک رائے کے مطابق طاعون کی وباء تھی، اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ حضرت نبی اکرم علیہ الصلاۃ و السلام نے بھی اپنی امت میں اس بیماری اور وباء کے پھیلنے کا سبب معاشرے میں فحاشی کا عام ہونا بتایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ علیہ الصلاۃ و السلام نے

© rasailojaraid.com